(۱)

علامہ اقبالؔ

یعنی

حکیم الامت ترجمان حقیقت ڈاکٹر سر شیخ محمد اق

عاشق قوم اور طبیب روحانی امراض کہنہ قوم اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہونے والے غلام ہیں

ان کا کلام قوم کے امراض کہنہ کیلئے شفا اور مطالعہ روح

جلا کا باعث ہے

(۲)

مولوی محمد جمیل الدین صدیقی صاحب ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ ہا

کے علامہ اقبالؔ کے نظریات کے تحت کتب اور خاص طور پر

کلام اقبالؔ (ترتیب دار)

یعنی علامہ اقبال نے کیا فرمایا اور کن کن عنوانات کے تحت کا مطالعہ آپ کے زر
معلومات میں وسعت اور روحانی صحت کا ضامن ہوگا مندرجہ صفحہ آخر سے حاصل کر

سکریٹری علامہ اقبالؔ ریسرچ سنٹر رحمن اسلامک پبلیشر
23-1-525 بی بی بازار نزد کوٹلہ عالیجاہ حیدرآباد۔۲ اے پی دان

سلسلہ کلام اقبالؒ

علامہ اقبال کی قوم کو نصیحتیں

و

مسلمانوں کے زوال پر آہ وزاریاں

اور

علامہ اقبال کی اللہ پاک سے دعائیں

محمد جمیل الدین صدیقی

سپرنٹنڈنٹ ہائیکورٹ اے پی، حیدرآباد
(ریٹائرڈ)

ھدیہ

اقبال ریسرچ سنٹر
سکریٹری سنٹر و اسلامک پبلیشر رحمن

23-1-523
بی بی بازار۔ نزد کوٹلہ
عالیجاہ۔ حیدرآباد۔ اے پی

علامہ اقبال کی قوم کو نصیحتیں بال جبرئیل مو

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی ——— تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات ——— تو جھکا غیر کے آگے نہ من ترا نہ

عشق بتاں سے ہاتھ اٹھا اپنی خودی میں ڈوب جا ——— نقش و نگار دیر میں خون جگر نہ کر

برا نہ مان ذرا آزما کے دیکھ اسے ——— فرنگِ دل کی خرابی خرد کی معمور

دل بینا بھی کر خدا سے طلب ——— آنکھ کا نور دل کا نور نہ

خودی میں گم ہے خدائی تلاش کر غافل ——— یہی ہے تیرے لئے اب صلاح کار

برہنہ سر ہے تو عزم بلند پیدا کر ——— یہاں فقط سرِ شاہیں کے واسطے ہے

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں ——— ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے ——— جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے

رہے گا راوی و نیل و فرات میں کب تک ——— ترا سفینہ کہ ہے بحرِ بے کراں کے

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز ——— یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے

قدم اُٹھا یہ مقام آسماں سے دور نہیں

تو اے اسیرِ مکاں لامکاں سے دور نہیں ——— وہ جلوہ گاہ ترے خاکداں سے دور

وہ مرغزار کہ بیمِ خزاں نہیں جس میں ——— غمیں نہ ہو کہ ترے آشیاں سے دور

یہ ہے خلاصۂ علمِ قلندری کہ حیات ——— خدنگِ جستہ ہے لیکن کماں سے دور

فضا تری مہ و پرویں سے ہے ذرا آگے ——— قدم اُٹھا یہ مقام آسماں سے دور

کہے نہ راہنما سے کہ چھوڑ دے مجھ کو!
یہ بات راہرو نکتہ داں سے دور نہیں!

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے — شمشیر و سناں اول طاؤس وزیاب آخر (بال جبریل)

کچھ قدر اپنی تو نے نہ جانی — یہ بے سوادی یہ کم نگاہی 〃

دنیائے دوں کی کب تک غلامی — یا راہبی کر یا پادشاہی 〃

تری قندیل ہے ترا دل — تو آپ ہے اپنی روشنائی 〃

اک تو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں — باقی ہے نمود سیمیائی 〃

ہیں عقدہ کشا یہ خار صحرا — کم کر گلۂ برہنہ پائی 〃

یا بندۂ خدا بن، یا بندۂ زمانہ

یہ بندگی خدائی وہ بندگی گدائی — یا بندۂ خدا بن، یا بندۂ زمانہ 〃

غافل نہ ہو خودی سے کر اپنی پاسبانی — شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ 〃

اے لا الہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں — گفتار دلیرانہ، کردار قاہرانہ 〃

تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے — کھویا گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ 〃

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے — خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے 〃

نومید نہ ہو ان سے اے رہبر فرزانہ

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو — کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی! 〃

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی — جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی 〃

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اعلیٰ — ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی! 〃

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی — اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی 〃

نومید نہ ہو ان سے اے رہبر فرزانہ
کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی!

کھوئی ہوئی شئے کی جستجو کر

فطرت کو خرد کے روبرو کر — تسخیر مقام رنگ و بو کر 〃

تاروں کی فضا ہے بیکرانہ — تو بھی یہ مقام آرزو کر 〃

عریاں ہیں ترے چمن کی حوریں   چاکِ گل و لالہ کو رفو کر
بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت   جو اس سے نہ ہو سکا وہ تو کر
تو اپنی خودی کھو چکا ہے
کھوئی ہوئی شے کی جستجو کر

یقین پیدا کر اے ناداں یقین سے ہاتھ آتی ہے   وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغ
تازہ پھر دانشِ حاضر نے کیا سحرِ قدیم!   گذر اس عہد میں ممکن نہیں بے چوبِ کلی

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ جا

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں   ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں   یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر   چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم   مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا   ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زماں و مکاں اور بھی ہیں
چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر   کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریا

کچھ کام نہیں بنتا بے جرأتِ رندانہ!

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہرِ یک دانہ   اے رنگی و آزادی اے ہمتِ مردا
یا سنجر و طغرل کا آئینِ جہانگیری   یا مردِ قلندر کے اندازِ ملوکا
یا حیرتِ فارابی یا تاب و تبِ رومی   یا فکرِ حکیمانہ یا جذبِ کلیما
یا عقل کی روباہی یا عشقِ یداللّٰہی   یا حیلۂ افرنگی یا حملۂ ترکانہ
یا شرعِ مسلمانی یا دیر کی دربانی   یا نعرۂ مستانہ کعبہ ہو کہ بتخا
میری میں فقیری میں شاہی میں غلامی میں
کچھ کام نہیں بنتا بے جرأتِ رندانہ!

تلاش اُس کی فضاؤں میں کر نصیب اپنا　　جہاں تازہ میری آہِ صبح گاہ میں ہے (بالِ جبریل)

یہ مئے کدے کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب　　نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے ،،

وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے

ہر ایک مقام سے آگے گذر گیا مہِ نو　　کمال کس کو میسر ہوا ہے بے تگ و دو ،،

کھو نہ جا اس سحر و شام میں اے صاحبِ ہوش!　　اک جہاں اور بھی ہے جس میں نہ فردا ہے نہ دوش ،،

صاحبِ ساز کو لازم ہے کہ غافل نہ رہے　　گاہے گاہے غلط آہنگ بھی ہوتا ہے سروش! ،،

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی　　اس کھیت کے خوشۂ گندم کو جلا دو ،،

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے　　پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو ،،

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے　　میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو ،،

کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ

ہے یاد مجھے نکتۂ سلمانِ خوش آہنگ　　دنیا نہیں مردانِ جفاکش کے لئے تنگ! ،،

چیتے کا جگر چاہئیے شاہین کا تجسس　　جی سکتے ہیں بے روشنیِ دانش و فرہنگ ،،

کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
بلبل فقط آواز ہے طاؤس فقط رنگ

نہ چھوڑ اے دل فغانِ صبح گاہی　　اماں شاید ملے اللہ ھو میں ،،

ایک نوجوان کے نام

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالین ہیں ایرانی　　لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی ،،

امارت کیا شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل　　نہ زورِ حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی ،،

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلی میں!
کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی! ،،

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں　　نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانوں میں ،،

نہ ہو نومید نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے　　امیدِ مردِ مومن ہے خدا کے راز دانوں میں! ،،

نہیں تیرا نشیمن قیصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے! بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پہ

نصیحت

بچۂ شاہیں سے کہتا تھا عقاب سال خورد — اے ترے شہپر پہ آساں رفعت چرخ بریں
ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام — سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگبیں
جو کبوتر پر جھپٹنے میں مزا ہے اے پسر — وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

نصیحت پیر مغاں

کل اپنے مریدوں سے کہا پیر مغاں نے — قیمت میں یہ معنی ہے در ناب سے دہ چند
زہراب ہے اس قوم کے حق میں مے افرنگ — جس قوم کے بچے نہیں خوددار و ہنرمند

خوشحال خاں پشتو زبان کے افغانستان کے شاعر کی نصیحت

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم — کہ ہو نام افغانیوں کا بلند
محبت مجھے ان جوانوں سے ہے — ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند
مغل سے کسی طرح کمتر نہیں — قہستاں کا یہ بچہ ارجمند
کہوں تجھ سے اے ہم نشیں دل کی بات — وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو پسند
اڑا کر نہ لائے جہاں باد کوہ — مغل شہسواروں کی گرد سمند

بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو

ہو تیرے بیاباں کی ہوا تجھ کو گوارا — اس دشت سے بہتر ہے نہ دلی نہ بخارا
جس سمت میں چاہے صفت سیل رواں چل — وادی یہ ہماری ہے وہ صحرا بھی ہمارا
غیرت ہے بڑی چیز جہان تگ و دو میں — پہناتی ہے درویش کو بھی تاج سر دارا
حاصل کسی کامل سے یہ پوشیدہ ہنر کر — کہتے ہیں کہ شیشہ کو بنا سکتے ہیں خارا
افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر — ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

محروم رہا ملت دریا سے وہ غوّاص — کرتا نہیں جو صحبت ساحل سے کنارا (بال جبریل)
دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملّت — ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا ״
دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش — تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا ״
اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسہ — ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا ״
تقدیر امم کیا ہے؟ کوئی کہہ نہیں سکتا — مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارا ״
اخلاص عمل مانگ نیاکانِ کہن سے — شاہاں چہ عجب بنوازند گدا را ״

ہارون کی آخری نصیحت

ہارون نے کہا وقت رحیل اپنے پسر سے — جائے گا کبھی تو بھی اسی راہگذر سے ״
پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت — لیکن نہیں پوشیدہ مسلماں کی نظر سے ״

مسلمان قوم کو علامہ اقبال کی نصیحتیں ضرب کلیم میں

خون دل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر — تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریف سنگ (ضرب کلیم)
یہ زورِ دست و ضربتِ کاری کا ہے مقام — میدانِ جنگ میں نہ طلب کر نوائے چنگ ״
خونِ دل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات — فطرت لہو ترنگ ہے غافل! نہ جل ترنگ ״

اے سالک رہ فکر نہ کر سود و زیاں کا

ممکن ہے کہ تو جس کو سمجھتا ہے بہاراں — اوروں کی نگاہوں میں وہ موسم ہو خزاں کا! ״
ہے سلسلۂ احوال کا ہر لحظہ دگرگوں — اے سالکِ رہ فکر نہ کر سود و زیاں کا ״
شاید کہ زمیں ہے یہ کسی اور جہاں کی
تو جس کو سمجھتا ہے فلک اپنے جہاں کی ״

دلِ مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ!

دلِ مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دوبارہ — کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ (ضربِ کلیم)
ترا بحر پُر سکوں ہے، یہ سکوں ہے یا فسوں ہے؟ — نہ نہنگ ہے نہ طوفاں، نہ خرابیٔ کنارہ! ،،
تو ضمیرِ آسماں سے ابھی آشنا نہیں ہے — نہیں بے قرار کرتا تجھے غمزۂ ستارہ! ،،
ترے نیستاں میں ڈالا مرے نغمۂ سحر نے — مری خاکِ پے سپر میں جو نہاں تھا اک شرارہ ،،
نظر آئے گا اسی کو یہ جہانِ دوش و فردا
جسے آگئی میسر مری شوخیٔ نظارہ! ،،

اگر نہیں قوتِ بازو

وحدت کی حفاظت نہیں بے قوتِ بازو — آتی نہیں کچھ کام یہاں عقل داد ،،
اے مردِ خدا تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل — جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو کر یاد ،،
مسکینی و محکومی و نومیدیٔ جاوید — جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کر آباد ،،

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو

اک فردِ فرنگی نے کہا اپنے پسر سے — منظر وہ طلب کر کہ تری آنکھ نہ ہو سیر! (ضربِ کلیم)
بیچارے کے حق میں ہے یہی سب سے بڑا ظلم — برّے پہ اگر فاش کریں قاعدۂ شیر! ،،
سینے میں رہے رازِ ملوکانہ تو بہتر — کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر! ،،
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو — ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر! ،،
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر! ،،

فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راہِ عمل بند

ہر شاخ سے یہ نکتۂ پیچیدہ ہے پیدا
پودوں کو بھی احساس ہے پنہائے فضا کا! (ضربِ کلیم)
ظلمت کدۂ خاک پہ شاکر نہیں رہتا
ہر لحظہ ہے دانے کو جنوں نشو و نما کا! ״
فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راہِ عمل بند
مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا! ״
جرأت ہو نمو کی تو فضا تنگ نہیں ہے
اے مردِ خدا ملکِ خدا تنگ نہیں ہے ״

ایک نصیحت

ان شہیدوں کی دیت اہلِ کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر ״

اے پیرِ حرم رسم و رہِ خانقہی چھوڑ

اے پیرِ حرم رسم و رہِ خانقہی چھوڑ
مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا ״
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت
دے ان کو سبق خود شکنی، خود نگری کا ״
تو ان کو سکھا خارہ شگافی کے طریقے
مغرب نے سکھایا انہیں فن شیشہ گری کا ״
دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا ״

محفل گداز! اگرئی محفل نہ کر قبول!

تو رہ نوردِ شوق ہے؟ منزل نہ کر قبول!
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول! ״
اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز!
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول! ״
کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں!
محفل گداز! اگرئی محفل نہ کر قبول! ״
صبحِ ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول! ״
باطل دوئی پسند ہے، حق لا شریک ہے
شرکتِ میانۂ حق و باطل نہ کر قبول! ״

آزادیٔ فکر

ضربِ کلیم

آزادیٔ افکار سے ہے ان کی تباہی　　رکھتے نہیں جو فکر و تدبّر کا سلیقہ
ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار　　انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

گوارا اور ناگوار

ہے مریدوں کو حق بات گوارا لیکن　　شیخ و مُلّا کو بُری لگتی ہے درویش کی بات
قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے متاعِ کردار　　بحث میں آتا ہے جب فلسفۂ ذات و صفات!
قسمتِ بادہ مگر حق ہے اسی ملّت کا　　انگبیں جس کے جوانوں کو ہے تلخابِ حیات!

چند نصیحتیں

فطرت کی غلامی سے کر آزاد ہنر کو　　صیاد ہیں مردانِ ہنر مند کہ نخچیر!
اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن　　جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں　　جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا!
مانندِ سحر صحنِ گلستاں میں قدم رکھ　　آئے تہِ پا گوہرِ شبنم تو نہ ٹوٹے
ہو کوہ و بیاباں سے ہم آغوش ولیکن　　ہاتھوں سے ترے دامنِ افلاک نہ چھوٹے
قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں　　اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار
نگاہ کم سے نہ دیکھ اس کی بے کلاہی کا　　یہ بے کلاہ ہے سرمایۂ کلہ داری!
فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن　　قدم اٹھا یہ مقام انتہائے راہ نہیں

شرمندہ ہو فطرت ترے اعجازِ ہنر سے!

دیکھے تو زمانے کو اگر اپنی نظر سے　　افلاک منور ہوں ترے نورِ سحر سے!
خورشید کرے کسبِ ضیا ترے شرر سے!　　ظاہر تری تقدیر ہو سیمائے قمر سے!
دریا متلاطم ہوں تری موجِ گہر سے!　　شرمندہ ہو فطرت ترے اعجازِ ہنر سے
اغیار کے افکار و تخیل کی گدائی!　　کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی

فطرت کو دکھایا بھی ہے، دیکھا بھی ہے تو نے
آئینۂ فطرت میں دکھا اپنی خودی بھی (ضرب کلیم)

دیکھ فوارہ کہ زور دروں ہی سے بلندی نصیب ہوتی ہے

یہ آبجو کی روانی، یہ ہمکناریٔ خاک
میری نگاہ میں ناخوب ہے یہ نظارہ ؍؍

ادھر نہ دیکھ، ادھر دیکھ اے جوانِ عزیز
بلند زورِ دروں سے ہوا ہے فوارہ ! ؍؍

ایسی کوئی دنیا نہیں افلاک کے نیچے
بے معرکہ ہاتھ آئے جہاں تختِ جم رکے ؍؍

بے محنت پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شررِ تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد ؍؍

نوجوان مسلم عالم نو کس طرح پیدا کرتا ہے

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیر تقدیر
خواب میں دیکھتا ہے عالمِ نو کی تصویر ! ؍؍

اور جب بانگِ اذاں کرتی ہے بیدار اسے
کرتا ہے خواب میں دیکھی ہوئی دنیا تعمیر ! ؍؍

بدن اس تازہ جہاں کا ہے اسی کفِ خاک
روح اس تازہ جہاں کی ہے اسی کی تکبیر ؍؍

ضبط کی نصیحت

طریق اہل دنیا ہے گلہ شکوہ زمانے کا
نہیں ہے زخم کھا کر آہ کرنا شان درویشی ؍؍

یہ نکتہ پیر دانا نے مجھے خلوت میں سمجھایا
کہ ہے ضبطِ فغاں شیری، فغاں روباہی درویشی ؍؍

بدن کے یورپ کے رقص اور روح کے رقص

چھوڑ یورپ کے لئے رقص بدن کے خم و پیچ
روح کے رقص میں ہے ضرب کلیم اللہٰی ! ؍؍

صلہ اس رقص کا ہے تشنگیٔ کام و دہن
صلہ اس رقص کا درویشی و شاہنشاہی ! ؍؍

وہ کل کے غم و عیش پہ کچھ حق نہیں رکھتا

وہ کل کے غم و عیش پہ کچھ حق نہیں رکھتا
جو آج خود افروز و جگر سوز نہیں ہے ! ؍؍

وہ قوم نہیں لائق ہنگامۂ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے ! ؍؍

پختہ عقائد اور عمل

حکمت مشرق و مغرب نے سکھایا ہے مجھے ایک نکتہ کہ غلاموں کے لئے ہے اکسیر! د
دین ہو فلسفہ ہو، فقر ہو سلطانی ہو ہوتے ہیں پختہ عقائد کی بنا پر تعمیر!

تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو

جو عالم ایجاد میں ہے صاحب ایجاد ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ
تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو کر اس کی حفاظت کہ یہ گوہر ہے یگانہ
لادینی و لاطینی! کس پیچ میں الجھا تو! دارو ہے ضعیفوں کا لا غالب الا ہو
تو اپنی سرنوشت اب اپنے قلم سے لکھ خالی رکھی ہے خامۂ حق نے تری جبیں!
فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن قدم اٹھا! یہ مقام انتہائے راہ نہیں!

مجھ میں فریاد جو پنہاں ہے سناؤں کس کو

مجھ میں فریاد جو پنہاں ہے سناؤں کس کو تپش شوق کا نظارہ دکھاؤں کس کو د
برق ایمن مرے سینے میں پڑی روتی ہے دیکھنے والی ہے جو آنکھ کہاں سوتی ہے
صفت شمع لحد مردہ ہے محفل میری آہ اے رات بڑی دور ہے منزل میری
عہد حاضر کی ہوا راس نہیں ہے اسکو اپنے نقصان کا احساس نہیں ہے اسکو

اے نوجوان

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارہ

علامہ اقبال کی نصیحتیں اپنے بیٹے جاوید کے نام بال جبریل اور ضرب کلیم میں

خودی کے ساز میں ہے عمر جاوداں کا سراغ خودی کے سوز سے روشن ہیں امتوں کے چراغ! دیا
یہ ایک بات کہ آدم ہے صاحب مقصود ہزار گونہ فروغ و ہزار گونہ فراغ!

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی ، خراب کر گئی شاہین بچے کو صحبت زاغ ! (بال جبریل)
حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی !
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ ! ″

جاوید کے نام

(لندن میں اسکے ہاتھ کا لکھا ہوا پہلا خط آنے اور گراموفون کی فرمائش پر)

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر ، نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر ″
خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو ، سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر ″
اٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں ، سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر ″
میں شاخِ تاک ہوں میری غزل ہے میرا ثمر ، مرے ثمر سے مئے لالہ فام پیدا کر ″
میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر ″

جاوید سے

(۱)

غارت گرِ دیں ہے یہ زمانہ ، ہے اس کی نہاد کافرانہ (ضرب کلیم)
دربارِ شہنشہی سے خوشتر ، مردانِ خدا کا آستانہ ! ″
لیکن یہ دورِ ساحری ہے ، انداز ہیں سب کے جادوانہ ! ″
سرچشمۂ زندگی ہوا خشک ، باقی ہے کہاں مئے شبانہ ! ″
خالی ان سے ہوا دبستاں ، تھی جن کی نگاہ تازیانہ ! ″
جس گھر کا مگر چراغ ہے تو ، ہے اس کا مذاق عارفانہ ! ″
جوہر میں ہو لا الٰہ تو کیا خوف ، تعلیم ہو گو فرنگیانہ ! ″
شاخِ گل پہ چہک ولیکن ، کر اپنی خودی میں آشیانہ ! ″
وہ بحر ہے آدمی کہ جس کا ، ہر قطرہ ہے بحرِ بیکرانہ ! ″
دہقاں اگر نہ ہو تن آساں ، ہر دانہ ہے صد ہزار دانہ ! ″

غافل منشیں نہ وقت بازی ست
وقت ہنر است و کار سازی ست دہ

(۲)

سینے میں اگر نہ ہو دلِ گرم   رہ جاتی ہے زندگی میں خامی!
نخچیر اگر ہو زیرک و چست   آتی نہیں کام کہنہ دامی!
ہے آبِ حیات اسی جہاں میں   شرط اسکے لئے ہے تشنہ کامی!
غیرت ہے طریقتِ حقیقی   غیرت سے ہے فقر کی غلامی
اے جانِ پدر نہیں ہے ممکن   شاہیں سے تدرد کی غلامی
نایاب نہیں متاعِ گفتار   صدا نوری و ہزار جامی!
ہے میری بساط کیا جہاں میں؟   بس ایک فغانِ زیر بامی
اک صدق مقال ہے کہ جس سے   میں چشمِ جہاں میں ہوں گرامی
اللہ کی دین ہے، جسے دے   میراث نہیں بلند نامی
اپنے نورِ نظر سے کیا خوب   فرماتے ہیں حضرتِ نظامی

جائے کہ بزرگ بایدت بود
فرزندئی من ندارد ت سود!

(۳)

مومن پہ گراں ہیں یہ شب و روز   دین و دولت قمار بازی!
ناپید ہے بندۂ عمل مست   باقی ہے فقط نفس دازی!
ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ دہ فقر   جس فقر کی اصل ہے حجازی!
اس فقر سے آدمی میں پیدا   اللہ کی شانِ بے نیازی!
کنجشک و حمام کے لئے موت   ہے اس کا مقام شاہبازی!
روشن اس سے خرد کی آنکھیں   بے سرمۂ بوعلی و رازی!
حاصل اس کا شکوہ محمود   فطرت میں اگر نہ ہو ایازی!
تیری دنیا کا یہ سرافیل   رکھتا نہیں ذوق بے نوازی!
ہے اس کی نگاہِ عالم آشوب   درپردہ تمام کارسازی!

یہ فقرِ غیور جس نے پایا   بے تیغ و سناں ہے مردِ غازی!
مومن کی اسی میں ہے امیری
اللہ سے مانگ یہ فقیری   (ضربِ کلیم)

علامہ اقبال کی نصیحتیں بانگِ درا میں

مدعا تیرا اگر دنیا میں ہے تعلیم دیں   ترکِ دنیا قوم کو اپنی نہ سکھلانا کہیں   (بانگِ درا)
وا نہ کرنا فرقہ بندی کے لیے اپنی زباں   چھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامۂ محشر یہاں   //
وصل کے اسباب پیدا ہوں تیری تحریر سے   دیکھ کوئی دل نہ دکھ جائے تیری تقریر سے   //
محفلِ نو میں پرانی داستانوں کو نہ چھیڑ   رنگ پر جو اب نہ آئیں ان افسانوں کو نہ چھیڑ   //
تو اگر کوئی مدبر ہے تو سن میری صدا   ہے دلیری دستِ اربابِ سیاست کا عصا   //
عرضِ مطلب سے جھجک جانا نہیں زیبا تجھے   نیک ہے نیت اگر تیری تو کیا پروا تجھے   //
بندۂ مومن کا دل بیم و ریا سے پاک ہے   قوتِ فرماں روا کے سامنے بیباک ہے   //
ہو اگر ہاتھوں میں تیرے خامۂ معجز رقم   شیشۂ دل ہو اگر تیرا مثالِ جامِ جم   //
پاک رکھ اپنی زباں تلمیذِ رحمانی ہے تو   ہو نہ جائے دیکھنا تیری صدا بے آبرو   //
سونے والوں کو جگا دے شعر کے اعجاز سے
خرمنِ باطل جلا دے شعلۂ آواز سے   //

رازِ عیاں نہ سمجھنا اور حلقۂ دامِ تمنا میں الجھنا

آہ! اے رازِ عیاں کے نہ سمجھنے والے   حلقۂ دامِ تمنا میں الجھنے والے   //
ہائے غفلت کہ تری آنکھ ہے پابندِ مجاز   ناز زیبا تھا تجھے تو ہے مگر گرمِ نیاز   //
تو اگر اپنی حقیقت سے خبردار رہے   نہ سیہ روز رہے پھر نہ سیہ کار رہے   //

سراپا تصویرِ درد بن کر علامہ اقبال کی قوم کو سیاسی و مذہبی نصیحتیں

مجھے رازِ دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے   وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے   //
رلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستاں مجھ کو   کہ عبرت خیز ہے ترا فسانہ سب فسانوں میں   //

نشاں برگِ گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچیں
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں باغبانوں میں

چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں

یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہو اور تری صدا ہو آسمانوں میں

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

یہی آئینِ قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہِ عمل میں گامزن محبوب فطرت ہے

جو ہے پردوں میں پنہاں چشم بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

کیا رفعت کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
گذاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے

رہا دل بستۂ محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشنا تو نے

فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی اداؤں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینہ میں اپنی ادا تو نے

تعصب چھوڑ ناداں دہر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برا تو نے

زمیں کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے
غضب ہے سطر قرآں کو چلیپا کر دیا تو نے

زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے

شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

نہ اٹھا جذبۂ خورشید سے اک برگ گل تک بھی
یہ رفعت کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبنم کو

پھرا کرتے نہیں مجروح الفت فکر درماں میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

دوا ہر دکھ کی ہے مجروح تیغ آرزو رہنا
علاج زخم ہے آزاد احسان رفو رہنا

شراب بے خودی سے تا فلک پرواز ہے میری
شکست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بو رہنا

تھمے کیا دیدۂ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم با وضو رہنا

بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرو رہنا

جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیر امتیاز ما و تو رہنا

یہ استغنا ہے پانی میں نگوں رکھتا ہے ساغر کو — تجھے بھی چاہیئے مثلِ حباب آب جو رہنا (بانگ درا)
نہ رہ اپنوں سے بے پروا اسی میں خیر ہے تیری — اگر منظور ہے دنیا میں او بیگانہ خو رہنا ״
شراب روح پرور ہے محبت نوع انساں کی — سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبو رہنا ״

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے ״

بیابانِ محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے — یہ ویرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے ״
محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحرا بھی — جرس بھی کارواں بھی راہبر بھی راہزن بھی ہے ״
مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا — چھپا جس میں علاج گردشِ چرخ کہن بھی ہے ״
جلانا دل کا ہے گویا سراپا نور ہو جانا — یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمع انجمن بھی ہے ״
وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں — یہ شیریں بھی ہے گویا بےستوں بھی کوہکن بھی ہے ״
اجاڑا ہے تمیز ملت و آئین نے قوموں کو — مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر وطن بھی ہے ״
سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ — زباں بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے ״

نمی گردید تہ رشتۂ معنے رہا کردم
حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم ״

آ اک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں

(شوالہ معنی مندر یعنی مطلب ہے نیا ماحول کا مندر جو برائیوں سے پاک ہو)

سچ کہہ دوں اے برہمن گر تو برا نہ مانے — تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے ״
اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا — جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے ״
تنگ آ کے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا — واعظ کا وعظ چھوڑا، چھوڑے ترے فسانے ״
پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے — خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے ״
آ غیریت کے پردے ایک بار پھر اٹھا دیں — بچھڑوں کو پھر ملا دیں نقشِ دوئی مٹا دیں ״
سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی — آ اک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں ״
دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ — دامانِ آسماں سے اس کا کلس ملا دیں ״
ہر صبح اٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے — سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلا دیں

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

تجھ کو خبر نہیں ہے کیا؟ بزم کہن بدل گئی
اب خدا کے واسطے ان کو مے مجاز دے دیکھ

علامہ اقبال کی نصیحتیں طلبائے علی گڑھ کالج کے نام

اور دل کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
عشق کے درد مندوں کا طرز کلام اور ہے

طائر زیر دام کے نالے تو سن چکے ہو تم
یہ بھی سنو کہ نالۂ طائر بام اور ہے

آتی تھی کوہ سے صدا راز حیات ہے سکوں
کہتا تھا مور ناتواں لطف خرام اور ہے

جذب حرم سے ہے فروغ انجمن حجاز کا
اس کا مقام اور ہے اس کا مقام اور ہے

موت ہے عیش جاوداں ذوق طلب اگر نہ ہو
گردش آدمی ہے اور گردش جام اور ہے

شمع سحر یہ کہہ گئی سوز ہے زندگی کا ساز
غم کدہ نمود میں شرط دوام اور ہے

بادہ ہے نیم رس ابھی شوق ہے نارسا ابھی
رہنے دو خم کے سر پہ تم خشت کلیسا ابھی

علامہ اقبال ہلال عید کو دیکھ کر خون کے آنسو بہاتے اور قوم کو نصیحت کرتے ہیں

اوج گردوں سے ذرا دنیا کی بستی دیکھ لے
اپنی رفعت سے ہمارے گھر کی پستی دیکھ لے

قافلے دیکھ اور ان کی برق رفتاری بھی دیکھ
اے تہی ساغر! ہماری آج ناداری بھی دیکھ

فرقہ آرائی کی زنجیروں میں ہیں مسلم اسیر
اپنی آزادی بھی دیکھ ان کی گرفتاری بھی دیکھ

دیکھ مسجد میں شکست رشتۂ تسبیح شیخ
بت کدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ

کافروں کی مسلم آئینی کا بھی نظارہ کر
اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ

بارش سنگ حوادث کا تماشائی بھی ہو
امت مرحوم کی آئینہ دیواری بھی دیکھ

ہاں تملق پیشگی دیکھ آبرو والوں کی تو
اور جو بے آبرو تھے ان کی خودداری بھی دیکھ

جس کو ہم نے آشنا لطف تکلم سے کیا
اس حریف بے زباں کی گرم گفتاری بھی دیکھ

ساز عشرت کی صدا مغرب کے ایوانوں میں سن
اور ایران میں ذرا ماتم کی تیاری دیکھ

چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری دیکھ

صورتِ آئینہ سب کچھ دیکھ اور خاموش رہ
شورشِ امروز میں محوِ سرودِ دوش رہ

آہ مسلمان زوال پذیر !!

اور ہے تیرا شعار، آئینِ ملت اور ہے — زشت روئی سے تری آئینہ ہے رسوا ترا (بانگِ درا)
کعبہ پہلو میں ہے اور سودائی بت خانہ ہے — کس قدر شوریدہ سر ہے شوقِ بے پروا ترا ″
قیس پیدا ہوں تری محفل میں یہ ممکن نہیں — تنگ ہے صحرا ترا، محمل ہے بے لیلا ترا ″
اے دُرِ تابندہ اے پروردۂ آغوشِ موج — لذتِ طوفاں سے ہے ناآشنا دریا ترا ″

اب نوا پیرا ہے کیا گلشن ہوا برہم تیرا
بے محل تیرا ترنم، نغمہ بے موسم تیرا

تھا جنھیں ذوقِ تماشا وہ تو رخصت ہو گئے — لے کے اب تو وعدۂ دیدارِ عام آیا تو کیا ″
انجمن سے وہ پرانے شعلہ آشام اٹھ گئے — ساقیا محفل میں تو آتش بجام آیا تو کیا ″
آہ جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہو چکی — پھول کو بادِ بہاری کا پیام آیا تو کیا ″
آخر شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ — صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا ″
بجھ گیا وہ شعلہ جو مقصودِ ہر پروانہ تھا — اب کوئی سودائے سوزِ ناتمام آیا تو کیا ″
پھول بے پروا ہیں تو گرمِ نوا ہو یا نہ ہو — کارواں بے حس ہے آوازِ درا ہو یا نہ ہو ″
شمعِ محفل ہو کے تو جب سوز سے خالی رہا — ترے پروانے بھی اس لذت سے بیگانے رہے ″
رشتۂ الفت میں جب ان کو پرو سکتا تھا تو — پھر پریشاں کیوں تری تسبیح کے دانے رہے ″
شوق بے پروا گیا، فکرِ فلک پیما گیا — تری محفل میں نہ دیوانے نہ فرزانے رہے ″
وہ جگر سوزی نہیں وہ شعلہ آشامی نہیں — فائدہ پھر کیا جو گردِ شمع پروانے رہے ″
خیر تو ساقی سہی لیکن پلائے گا کسے — اب تو وہ میکش رہے باقی نہ میخانے رہے ″
رو رہی ہے آج ایک ٹوٹی ہوئی مینا اسے — کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے ″
آج ہیں خاموش وہ دشتِ جنوں پرور جہاں — رقص میں لیلا رہی، لیلا کے دیوانے رہے ″

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی | شہر ان کے مٹ گئے آبادیاں بن ہوگئیں (بانگِ درا)
سطوتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی | وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہوگئیں ″
دہر میں عیشِ دوام آئیں کی پابندی سے ہے | موج کو آزادیاں سامانِ شیون ہوگئیں ″
خود تجلی کو تمنا جن کے نظاروں کی تھی | وہ نگاہیں نا اُمیدِ نورِ ایمن ہوگئیں ″
اڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں | دل میں کیا آئی کہ پابندِ نشیمن ہوگئیں ″
وسعتِ گردوں میں تھی ان کی تڑپ نظارہ سوز | بجلیاں آسودۂ دامانِ خرمن ہوگئیں ″
دیدۂ خونبار ہو منت کشِ گلزار کیوں | اشکِ پیہم سے نگاہیں گل بدامن ہوگئیں ″

آنکھ کو بیدار کر دے وعدۂ دیدار سے
زندہ کر دے دل کو سوزِ جوہرِ گفتار سے

رہزنِ ہمت ہوا ذوقِ تن آسانی ترا | بحر تھا صحرا میں تو گلشن میں مثلِ جو ہوا ″
اپنی اصلیت پہ قائم تھا، تو جمعیت بھی تھی | چھوڑ کر گل کو پریشاں کاروانِ بو ہوا ″
زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرارِ حیات | یہ کبھی گوہر، کبھی شبنم، کبھی آنسو ہوا ″
پھر کہیں سے اس کو پیدا کر، بڑی دولت ہے یہ | زندگی کیسی جو دل بیگانۂ پہلو ہوا ″
آبرو باقی تری ملت کی جمعیت سے تھی | جب یہ جمعیت گئی، دنیا میں رسوا تو ہوا ″

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

پردۂ دل میں محبت کو ابھی مستور رکھ | یعنی اپنی مے کو رسوا صورتِ مینا نہ کر ″
خیمہ زن ہو وادیٔ سینا میں مانندِ کلیم | شعلۂ تحقیق کو غارت گرِ کاشانہ کر ″
شمع کو بھی ہو ذرا معلوم انجامِ ستم | صرفِ تعمیرِ سحر خاکسترِ پروانہ کر ″
تو اگر خوددار ہے منت کشِ ساقی نہ ہو | عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر ″
کیفیت باقی پرانے کوہ و صحرا میں نہیں | ہے جنوں تیرا نیا، پیدا نیا ویرانہ کر ″
خاک میں تجھکو مقدر نے ملایا ہے اگر | تو عصا افتاد سے پیدا مثالِ دانہ کر ″
ہاں اسی شاخِ کہن پر پھر بنا لے آشیاں | اہلِ گلشن کو شہیدِ نغمۂ مستانہ کر ″
اس چمن میں پیروِ بلبل ہو یا تلمیذِ گل | یا سراپا نالہ بن جا، یا نوا پیدا نہ کر ″

(بانگ درا)

کیوں چمن میں بے صدا مثلِ رمِ شبنم ہے تو؟
لب کشا ہو جا سرود بربطِ عالم ہے تو؟

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا — دانہ تو، کھیتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تو ″
آہ! کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے — راہ تو، رہرو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تو ″
کانپتا ہے دل ترا اندیشۂ طوفاں سے کیا — ناخدا تو، بحر تو، کشتی بھی تو، ساحل بھی تو ″
دیکھ آکر کوچۂ چاکِ گریباں میں کبھی! — قیس تو، لیلا بھی تو، صحرا بھی تو، محمل بھی تو ″
وائے نادانی! کہ تو محتاجِ ساقی ہو گیا — مے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو، محفل بھی تو ″
شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو — خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو ″

بے خبر! تو جوہرِ آئینۂ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے! ″

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو — قطرہ ہے، لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے ″
کیوں گرفتارِ طلسمِ ہیچ مقداری ہے تو — دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے ″
سینہ ہے تیرا امیں اس کے پیامِ ناز کا — جو نظامِ دہر میں پیدا بھی ہے، پنہاں بھی ہے ″
ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ — تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے ″
اب تلک شاہد ہے جس پر کوہِ فاراں کا سکوت — اے تغافل پیشہ! تجھکو یاد وہ پیماں بھی ہے ″
تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا — ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے ″
دل کی کیفیت ہے پیدا پردۂ تقریر میں — کسوتِ مینا میں مستور بھی عریاں بھی ہے ″
پھونک ڈالا ہے مری آتش نوائی نے مجھے — اور مری زندگانی کا یہی ساماں بھی ہے ″

راز اس آتش نوائی کا مرے سینے میں دیکھ
جلوۂ تقدیر میرے دل کے آئینے میں دیکھ ″

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش — اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی ″
آملیں گے سینے چاکانِ چمن سے سینہ چاک — بزمِ گل کی ہم نفس بادِ صبا ہو جائے گی! ″
شبنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و ساز — اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائے گی! ″
دیکھ لوگے سطوتِ رفتارِ دریا کا مآل — موجِ مضطر ہی اسے زنجیرِ پا ہو جائے گی ″
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود — پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی ″

نالۂ صیاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور خونِ گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی (بانگِ درا)
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی ؍؍
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے!! ؍؍

ساقی یعنی مرشد کو علامہ اقبال کی نصیحت

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی ؍؍
جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں کہیں سے آبِ بقائے دوام لے ساقی ؍؍
کٹی ہے رات تو ہنگامہ گستری میں تری
سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی! ؍؍

شاعرِ مشرق، شاعر کو بھی قوم کا معمار بتلاتے ہیں

شاعرِ دل نواز بھی بات اگر کہے کھری ہوتی ہے اس کے فیض سے مزرعِ زندگی ہری ؍؍
شانِ خلیل ہوتی ہے اس کے کلام سے عیاں کرتی ہے اس کی قوم جب اپنا شعار آزری ؍؍
اہلِ زمیں کو نسخۂ زندگیٔ دوام ہے خونِ جگر سے تربیت پاتی ہے جو سخنوری ؍؍
مسلمِ خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو وہ چمک اٹھا افق، گرمِ تقاضا تو بھی ہو ؍؍

بروزِ عید علامہ اقبال کو مسلمان قوم کا زوال بے چین کرتا ہے

یہ شالامار میں اک برگِ زرد کہتا تھا گیا وہ موسمِ گل جس کا رازدار ہوں میں ؍؍
نہ پائمال کریں مجھ کو زائرانِ چمن انہیں کی شاخِ نشیمن کی یادگار ہوں میں ؍؍
ذرا سے پتے نے بیتاب کر دیا دل کو چمن میں آ کے سراپا غمِ بہار ہوں میں ؍؍
خزاں میں مجھ کو رلاتی ہے یادِ فصلِ بہار خوشی ہو عید کی کیونکر کہ سوگوار ہوں میں ؍؍
اجاڑ ہو گئے عہدِ کہن کے مے خانے گزشتہ بادہ پرستوں کی یادگار ہوں میں ؍؍
پیامِ عیش و مسرت ہمیں سناتا ہے!
ہلالِ عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے!

اے دورِ حاضر کے مسلماں!

(۱)

خوب ہے تجھ کو شعارِ صاحبِ یثرب[۲] کا پاس — کہہ رہی ہے زندگی تیری کہ تو مسلم نہیں (بانگِ درا)

جس سے تیرے حلقۂ خاتم میں گردوں تھا اسیر — اے سلیماں! تیری غفلت نے گنوایا وہ نگیں! 〃

وہ نشانِ سجدہ جو روشن تھا کوکب کی طرح — ہو گئی ہے اس سے اب ناآشنا تیری جبیں 〃

دیکھ تو اپنا عمل، تجھ کو نظر آتی ہے کیا — وہ صداقت جس کی بیباکی تھی حیرت آفریں 〃

تیرے آبا کی نگہ بجلی تھی جس کے واسطے — ہے وہی باطل ترے کاشانۂ دل میں مکیں 〃

غافل! اپنے آشیاں کو آکے پھر آباد کر — نغمہ زن ہے طورِ معنی پر کلیمِ نکتہ بیں 〃

(۲)

مسلم مرے کلام سے بے تاب ہو گیا — غماز ہو گئی غمِ پنہاں کی آہِ سرد 〃

کہنے لگا کہ دیکھ تو کیفیتِ خزاں — اوراق ہو گئے شجرِ زندگی کے زرد 〃

خاموش ہو گئے چمنستاں کے رازدار — سرمایۂ گداز تھی جن کی نوائے درد 〃

تہذیبِ حاضر اور نوجوانان

حرارت ہے بلا کی بادۂ تہذیبِ حاضر میں — بھڑک اٹھا بھبوکا بن کے مسلم کا تنِ خاکی 〃

کیا ذرہ کو جگنو دے کے تابِ مستعار اس نے — کوئی دیکھے تو شوخی آفتابِ جلوہ فرما کی 〃

نئے انداز پائے نوجوانوں کی طبیعت نے — یہ رعنائی، یہ بیداری، یہ آزادی، یہ بیباکی 〃

تغیر آگیا ایسا تدبر میں تخیل میں — ہنسی سمجھی گئی گلشن میں غنچوں کی جگر چاکی 〃

کیا گم تازہ پروازوں نے اپنا آشیاں لیکن — مناظر دلکشا دکھلا گئی ساحر کی چالاکی 〃

حیاتِ تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا — رقابت، خود فروشی، ناشکیبائی، ہوسناکی 〃

فروغِ شمعِ نو سے بزمِ مسلم جگمگا اٹھی — مگر کہتی ہے پروانوں سے میری کہنہ ادراکی 〃

تو اے پروانہ! ایں گرمی ز شمعِ محفلے داری
چو من در آتشِ خود سوز اگر سوزِ دلے داری

مسلمان اور تعلیم جدید

(۱)

مرشد کی یہ تعلیم تھی اے مسلم شوریدہ سر! — لازم ہے رہرو کے لیے دنیا میں سامانِ سفر (بانگِ درا)
بدلی زمانے کی ہوا، ایسا تغیر آگیا — تھے جو گراں قیمت کبھی، اب ہیں متاعِ کس مخر ؍؍
وہ شعلۂ روشن ترا، ظلمت گریزاں جس سے تھی — گھٹ کر ہوا مثلِ شرر تارے سے بھی کم نور تر ؍؍
شیدائی غائب نہ رہ، دیوانۂ موجود ہو — غالب ہے اب اقوام پر معبودِ حاضر کا اثر ؍؍
ممکن نہیں اس باغ میں کوشش ہو بار آور تری — فرسودہ ہے پھندا ترا، زیرک ہے مرغِ تیز تر ؍؍
اس دور میں تعلیم ہے امراضِ ملت کی دوا — ہے خونِ فاسد کے لیے تعلیم مثلِ نیشتر ؍؍
رہبر کے ایما سے ہوا تعلیم کا سودا مجھے — واجب ہے صحرا گرد پر تعمیلِ فرمانِ خضر ؍؍
لیکن نگاہِ نکتہ بیں دیکھے زبوں بختی مری — "رفتم کہ خار از پا کشم، محمل نہاں شد از نظر ؍؍
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد"

(۲)

جب پیرِ فلک نے ورق ایام کا الٹا — آئی یہ صدا پاؤ گے تعلیم سے اعزاز! ؍؍
آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل — دنیا تو ملی، طائرِ دیں کر گیا پرواز ؍؍
دیں ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی — دیں زخمہ ہے، جمعیتِ ملت ہے اگر ساز ؍؍
بنیاد لرز جائے جو دیوارِ چمن کی — ظاہر ہے کہ انجامِ گلستاں کا ہے آغاز ؍؍
پانی نہ ملا زمزمِ ملت سے جو اس کو — پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز ؍؍

(۳)

تعلیم اور اس کے نتائج

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر — لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ ؍؍
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم — کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ ؍؍
گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما — لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ ؍؍
تخم دیگر بکف آریم و بکاریم ز نو
کانچہ کشتیم ز خجلت نتواں کرد درو ؍؍

سر عبدالقادر مدیر مخزن جو علامہ اقبال کے ساتھ لندن میں زیر تعلیم تھے۔ ہندوستان آنے کے بعد ان کو ہمراہ لے کر قوم کو بام رفعت پر پہنچانے اور اس مقصد کے لیے اپنی زندگانیاں قربان کرنے بے چین اور مضطرب نظر آرہے ہیں۔

عبدالقادر کے نام

اٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا افق خاور پر — بزم میں شعلہ نوائی سے اجالا کر دیں
ایک فریاد ہے مانند سپند اپنی بساط — اسی ہنگامے سے محفل تہ و بالا کر دیں
اہل محفل کو دکھا دیں اثرِ صیقلِ عشق — سنگِ امروز کو آئینہ فردا کر دیں
جلوۂ یوسفِ گم گشتہ دکھا ان کو — تپش آمادہ تر از خونِ زلیخا کر دیں
اس چمن کو سبق آئینِ نمو کا دے کر — قطرۂ شبنمِ بے پایہ کو دریا کر دیں
رختِ جاں بتکدۂ چیں سے اٹھا لیں اپنا — سب کو محوِ رخِ سعدیٰ و سلمیٰ کر دیں
دیکھ! یثرب میں ہوا ناقۂ لیلیٰ بیکار — قیس کو آرزوئے نو سے شناسا کر دیں
بادۂ دیرینہ ہو اور گرم ہو ایسا کہ گداز — جگرِ شیشہ و پیمانہ و مینا کر دیں
گرم رکھتا تھا ہمیں سردیِ مغرب میں جو داغ — چیر کر سینہ اسے وقفِ تماشا کر دیں
شمع کی طرح جئیں بزم گہِ عالم میں — خود جلیں، دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

ہر چہ در دل گذرد وقفِ زباں دارد شمع
سوختن نیست خیالے کہ نہاں دارد شمع

علامہ اقبالؒ حضرت خضر علیہ السلام کی زبان میں گویا دنیائے اسلام اور مسلمانوں کی زبوں حالی کا نقشہ کھینچ رہے ہیں۔

دنیائے اسلام اور آج کا مسلمان

ہوگیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو

(بانگ درا)

کیا سناتا ہے مجھے ترک و عرب کی داستاں — مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز ″
لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیلؑ — خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز ″
ہوگئی رسوا زمانہ میں کلاہ لالہ رنگ — جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبورِ نیاز ″
لے رہا ہے مئے فروشانِ فرنگستاں سے پارس — وہ مئے سرکش حرارت جسکی ہے مینا گداز ″
حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی — ٹکڑے ٹکڑے جسطرح سونے کو کردیتا ہے گاز ″
ہوگیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو — مضطرب ہے تیرا دل نہیں دانائے راز ″
گفت رومی ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند — می ندانی اول آں بنیاد را ویراں کنند ″
"ملک ہاتھوں سے گیا ملّت کی آنکھیں کھل گئیں" — حق ترا چشمے عطا کردست غافل در نگر! ″
مومیائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست — مور بے پر! حاجتے پیشِ سلیمانے مبر ″
ربط و ضبطِ ملّتِ بیضا ہے مشرق کی نجات — ایشیا والے ہیں اس نکتہ سے اب تک بے خبر ″
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصارِ دیں میں ہو — ملک و دولت ہے فقط حفظِ حرم کا اک ثمر ″
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے — نیل کے ساحل سے لیکر تابخاکِ کاشغر! ″
جو کرے گا امتیازِ رنگ و خوں مٹ جائیگا — ترک خرگاہی ہو یا اعرابیٔ والا گہر! ″
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدّم ہوگئی — اڑگیا دنیا سے تو مانندِ خاکِ رہگذر! ″
کھول کر آنکھیں میرے آئینۂ گفتار میں — آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ! ″

آزمودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
سامنے تقدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ ″

مسلمانوں کا ایک لائقِ احترام طبقہ سیدوں کا ——— جن کے لئے زکوٰۃ فطرہ اور صدقہ حرام ہے۔ جب ان سیدوں میں روحانی افلاس کا یہ حال ہے تو عام مسلمانوں کا کیا حال ہوگا ؟

فلسفہ زدہ سید زادے کے نام

تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا — زناریٔ برگساں نہ ہوتا (ضرب کلیم)
ہیگل کا صدف گہر سے خالی — ہے اس کا طلسم سب خیالی ! "
محکم کیسے ہو زندگانی ؟ — کس طرح خودی ہو لازمانی ؟ "
میں اصل کا خاص سومناتی — آبا میرے لاتی و مناتی "
تو سید ہاشمی کی اولاد — میری کفِ خاک برہمن زاد "
ہے فلسفہ میرے آب و گل میں — پوشیدہ ہے ریشہ ہائے دل میں "
شعلہ ہے ترے جنوں کا بے سوز — سن مجھ سے یہ نکتۂ دل افروز "
انجام خرد ہے بے حضوری — ہے فلسفہ زندگی سے دوری "
افکار کے نغمہ ہائے بے صوت — ہیں ذوقِ عمل کے واسطے موت ! "
دیں مسلکِ زندگی کی تقدیم — دیں سرِ محمدؐ و براہیمؑ "
دل در سخن محمدیؐ بند — اے پور علیؓ ز بو علی چند "
چوں دیدۂ راہ بیں نداری — قائد قریشی بہ از بخاری "

آوازِ غیب !

کھو یا گیا کس طرح ترا جوہر ادراک !

آتی ہے دمِ صبح صدا عرش بریں سے — کھو یا گیا کس طرح ترا جوہر ادراک (ارمغان حجاز)
کس طرح ہوا کند ترا نشترِ تحقیق ؟ — ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک ؟ "
تو ظاہر و باطن کی خلافت کا سزاوار — کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلامِ خس و خاشاک ؟ "
مہر و مہ و انجم نہیں محکوم ترے کیوں ؟ — کیوں تیری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک ؟ "
اب تک ہے رواں گرچہ لہو تیری رگوں میں — نے گرمیٔ افکار نہ اندیشۂ بیباک ! "
روشن تو وہ ہوتی ہے جہاں میں نہیں ہوتی — جس آنکھ کے پردوں میں نہیں ہے نگہ پاک "
باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری — اے کشتۂ سلطانی و مُلّائی و پیری "

آج کا زوال پذیر مسلمان صرف حصول زر و دولت کو زندگی اور اپنا عروج سمجھا ہوا ہے۔ زندگی دراصل غلامی سے دور رہنے ایک آزاد قوم کے ایک فرد کی حیثیت سے زندہ رہنے حسن تدبیر حسن عمل کو اپنانے اور فقر اور خودی کی حفاظت کا نام ہے۔ یہی ہے حقیقی زندگی اور حقیقی عروج۔ اور ایک مسلمان قوم کی دولت دراصل ہوتی ہے پابندی احکام الٰہی۔ اسلئے دنیوی دولت کے بارے میں علامہ سمجھا رہے ہیں۔

زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات — جو فقر سے ہے میسر تونگری سے نہیں! (ضرب کلیم)
اگر جواں ہوں مری قوم کے جسور و غیور — قلندری مری کچھ کم سکندری سے نہیں 〃
سبب کچھ اور ہے تو جسکو خود سمجھتا ہے — زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں 〃
اگر جہاں میں مرا جوہر آشکار ہوا — قلندری سے ہوا ہے، تونگری سے نہیں 〃
حیف اس قوم کا بے سوز، عمل زار و زبوں — ہو گیا پختہ عقائد سے تہی جس کا ضمیر 〃
دیں ہو فلسفہ ہو فقر ہو سلطانی ہو — ہوتے ہیں پختہ عقائد کی بنا پر تعمیر 〃
ہے مرے سینۂ بے نور میں اب کیا باقی
لا الٰہ مردہ و افسردہ و بے ذوق نمود 〃

آہ بدنصیب مسلمان!

غدار وطن اسکو بتاتے ہیں برہمن — انگریز سمجھتا ہے مسلماں کو گداگر 〃
پنجاب کے ارباب نبوت کی شریعت — کہتی ہے کہ یہ مومن پارینہ ہے کافر 〃
کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو — کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی 〃
مثال ماہ چمکتا تھا جس کا داغ سجود — خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی! 〃
ہوا حریف مہ و آفتاب تو جس سے — رہی نہ تیرے ستاروں میں وہ درخشانی 〃
ترا وجود سراپا تجلی افرنگ — کہ تو وہاں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر 〃
مگر یہ پیکر خاکی خودی سے ہے خالی — فقط نیام ہے تو زرنگار و بے شمشیر 〃
مصلحتاً کہہ دیا میں نے مسلماں تجھے — ترے نفس میں نہیں گرمیٔ یوم نشور! 〃
آہ! اے مرد مسلماں تجھے یاد نہیں — حرف لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا آخَر 〃
ردائے دین و ملت پارہ پارہ — قبائے ملک و ملت چاک در چاک (بال جبریل)

علامہ اقبال کی قوم کیلئے دعائیں

دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر   حریم کبریا سے آشنا کر   (بال جبریل)
جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے   اسے بازوئے حیدر بھی عطا کر   ؍؍

اے اللہ پاک

گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر   ہوش و خرد شکار کر قلب و نظر شکار کر!   ؍؍
عشق بھی ہو حجاب میں حسن بھی ہو حجاب میں   یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر!   ؍؍
تو ہے محیط بیکراں میں ہوں ذرا سی آبجو   یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بے کنار کر!   ؍؍
میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے گہر کی آبرو   میں ہوں خزف تو تو مجھے گوہر شاہوار کر!   ؍؍
نغمۂ نو بہار اگر میرے نصیب میں نہ ہو   اس دمِ نیم سوز کو طائرک بہار کر!   ؍؍

اے میرے ساقی اے میرے اللہ

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی!   ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اے ساقی!   ؍؍
تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند   اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی!   ؍؍
مری مینائے غزل میں تھی ذرا سی باقی   شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی!   ؍؍
شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی   رہ گئے صوفی و ملّا کے غلام اے ساقی!   ؍؍
تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ   ترے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی!   ؍؍
نہ چھین لذتِ آہِ سحر گہی مجھ سے   نہ کر نگہ سے تغافل کو التفات آمیز!   ؍؍
کر پہلے مجھ کو زندگیٔ جاوداں عطا   پھر ذوق و شوق دیکھ دلِ بے قرار کا!   ؍؍
جوانوں کو مری آہِ سحر دے   پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے   ؍؍
خدایا آرزو میری یہی ہے   میرا نور بصیرت عام کر دے   ؍؍

دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر   حریم کبریا سے آشنا کر   ؍؍
جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے   اسے بازوئے حیدر بھی عطا کر   ؍؍

دعا قلبی

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے! — مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے (بالِ جبریل)

شرابِ کہن پھر پلا ساقیا! — وہی جام گردش میں لا ساقیا 〃

مجھے عشق کے پر لگا کر اُڑا — مری خاک جگنو بنا کر اُڑا 〃

خرد کو غلامی سے آزاد کر — جوانوں کو پیروں کا استاد کر 〃

ہری شاخِ ملت ترے نم سے ہے — نفس اس بدن میں ترے دم سے ہے 〃

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے — دلِ مرتضیٰؓ سوزِ صدیقؓ دے 〃

جگر سے وہی تیر پھر پار کر — تمنا کو سینوں میں بیدار کر! 〃

ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر — زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر! 〃

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے — میرا عشق میری نظر بخش دے 〃

میری ناؤ گرداب سے پار کر — یہ ثابت ہے تو اس کو سیار کر! 〃

بتا مجھ کو اسرار مرگِ حیات — کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات! 〃

میرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں — مرے دل کی پوشیدہ بیتابیاں 〃

مرے نالۂ نیم شب کا نیاز! — میری خلوت و انجمن کا گداز! 〃

امنگیں مری آرزوئیں میری — اُمیدیں مری جستجوئیں میری 〃

مری فطرتِ آئینۂ روزگار — غزالانِ افکار کا مرغزار 〃

مرا دل میری رزم گاہ حیات — گمانوں کے لشکر یقین کا ثبات 〃

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر — اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر 〃

میرے قافلے میں لٹا دے اُسے

لٹا دے ٹھکانے لگا دے اُسے

دُعا

یا رب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنّا دے   جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے (بانگِ درا)
پھر وادیٔ فاراں کے ہر ذرے کو چمکا دے   پھر شوقِ تماشا دے، پھر ذوقِ تقاضا دے ،،
محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے   دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے ،،
بھٹکے ہوئے آہو کو، پھر سوئے حرم لے چل   اس شہر کے خوگر کو، پھر وسعتِ صحرا دے ،،
پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر   اس محملِ خالی کو، پھر شاہدِ لیلا دے ،،
اس دور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو   وہ داغِ محبت دے، جو چاند کو شرما دے ،،
رفعت میں مقاصد کو ہمدوشِ ثریا کر   خودداریٔ ساحل دے، آزادیٔ دریا دے ،،
بے لوث محبت ہو، بیباک صداقت ہو   سینوں میں اجالا کر، دل صورتِ مینا دے ،،
احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا   امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے ،،

میں بلبلِ نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو داتا دے ،،

دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے   وہ بجلی کہ تھی نعرۂ لَا تَذَر میں (بالِ جبریل)
عزائم کو سینوں میں پیدا کر دے   نگاہِ مسلماں کو تلوار کر دے ،،
حدیثِ دل کسی درویشِ بے گلیم سے پوچھ   خدا کرے تجھے مقام سے آگاہ ،،
خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے   کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں (ضربِ کلیم)
تری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی   مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے ،،
تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا   عجب نہیں ہے کہ یہ چار سُو بدل جائے ،،
وہی شراب، وہی ہائے و ہو رہے باقی   طریقِ ساقی و رسمِ کدو بدل جائے! ،،

تری دعا ہے کہ ہو تری آرزو پوری
میری دعا ہے تری آرزو بدل جائے!

علامہ اقبال ریسرچ سنٹر

مولانا محمد جمیل الدین صدیقی کی کتب

منجانب رحمن اسلامک پبلیشر تقریباً آٹھ سال سے شائع ہو رہے ہیں

جن میں اکثر اقبالیات پر ہیں

اب رحمن اسلامک پبلیشر نے

علامہ اقبال ریسرچ سنٹر کا قیام عمل میں لایا ہے اس کا ایک شعبہ اقبالیات بھی ہے جس کے ذریعہ مولانا محمد جمیل الدین صدیقی کی ہی وہ کتب شائع کرنا ہے جو علامہ اقبال کے کلام کے تجزیہ اور ریسرچ کا نتیجہ ہوں گے تاکہ اشاعتِ اقبالیات کے کام میں دو طرفہ وسعت دی جا سکے۔ کتاب ہذا اس زنجیر کی ایک پہلی کڑی ہے۔

علامہ اقبال ریسرچ سنٹر کے اعلیٰ مقاصد کو انشاءاللہ بہت جلد شائقین اور ناظرین کے علم میں لایا جائے گا۔

عبدالرحمن صدیقی بی ایس سی۔ بی ایڈ
سکریٹری سنٹر اور اسلامک پبلیشر